بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یارب چمن نظم کو گلزارِ ارم کر ۱ اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر!
تو فیض کا مبدأ ہے توجہ کوئی دم کر گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

ہر باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری ۲ بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبعِ نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

غوّاصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی ۳ ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
اک ایک لڑی نظمِ ثریّا سے ہو عالی عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
سب ہوں دُرِ یکتا، نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہوں گے جنھیں رشتہ ہے نبی سے

بھر دے دُرِ مقصود سے اِس دُرجِ دہاں کو ۴ دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلّم سے زباں کو عاشق ہو فصاحت بھی، وہ دے حُسن بیاں کو
تحسیں کا سماوات سے غُل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں ۵ قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرے کی چمک مہرِ منور سے ملادوں خاروں کو نزاکت میں گُلِ تر سے ملا دوں
گُلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سَو رنگ سے باندھوں

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر ۶ کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر ہو جائے ہَوا بزمِ سلیماں کی بھی توقیر
یوں تختِ حسینانِ معانی اُتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

ساقی کے کرم سے ہو وہ دَور اور وہ چلیں جام ۷ جس میں عوضِ نشّہ ہو کیفیّتِ انجام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایام صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو! پوچھ لو میخانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آگئی ہے خلدِ بریں سے

وہ فرش ہو اِس بزمِ اِرَم رشک میں نایاب ۸ ہو جس کی سفیدی سے خجل چادرِ مہتاب
دل عرش کا لوٹے کہ یہ راحت کا ہے اسباب مخمل کو بھی حسرت ہو کہ میں اس پہ کروں خواب
آئینوں سے ہو چار طرف نور کا جلوہ
دکھلائے ہر اک شمع رُخِ حور کا جلوہ

۹ خیبر کی خبر لائے مِری طبعِ اُولوالعزم آؤں طرف رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم
دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکۂ رزم قطعِ سرِ اعدا کا رادہ ہو جو بالجزم
جل جائیں عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

۱۰ الفاظ کی تیزی کو نہ پہنچے کوئی تلوار مصرعے ہوں صف آرا صفتِ لشکرِ جرّار
مدآگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے اک بار نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خونخوار
غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

۱۱ عالَم کو دکھا دے بُرِشِ سیفِ الٰہی ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
لاریب ترے نام پہ ہے سکۂ شاہی جرأت کا دھنی تُو ہے یہ چلّائیں سپاہی
ہر دم یہ اشارہ ہے دوات اور قلَم کا
تو مالک و مختار ہے اس طبل و علَم کا

۱۲ امداد ترا کام ہے یا حیدرِؑ صفدر تائید کا ہنگام ہے یا حیدرِؑ صفدر
تیرا بھی کرم عام ہے یا حیدرِؑ صفدر تو صاحبِ اکرام ہے یا حیدرِؑ صفدر
تنہا ترے اقبال سے شمشیر بکف ہوں
سب ایک طرف جمع ہیں میں ایک طرف ہوں

۱۳ کچھ دفترِ باطل کی حقیقت نہیں مولا ناقدریٔ عالم کی شکایت نہیں مولا
میں کیا ہوں کسی روح کو راحت نہیں مولا باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا
عالم ہے مکدّر کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے　۱۴　نیک و بدِ عالم کا تامّل نہیں کرتے
تعریفِ خوش الحانئ بلبل نہیں کرتے　　خاروں کے لیے رخ طرفِ گل نہیں کرتے
خاموش ہیں گو شیشۂ دل چوُر ہوئے ہیں
اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

دُر کو تو گھٹاتے ہیں بڑھاتے ہیں صدف کو　۱۵　الماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خذف کو
کھو دیتے ہیں شیشے کے لیے درِ نجف کو　　اندھیر یہ ہے چاند بتاتے ہیں کلف کو
ضائع ہیں دُر ولعل و بدخشان و عدن کے
مٹی میں ملاتے ہیں جواہر کو سخن کے

ہنگام سخن کھلتی ہے دوکانِ جواہر　۱۶　ہے لعل و گہر سے یہ دہن کانِ جواہر
دیکھے اسے ہاں، ہے کوئی خواہانِ جواہر　　ہیں بند مرصّع تو ورق خوانِ جواہر
بینائے رقوماتِ ہنر چاہیے اس کو
سودا ہے جواہر کا نظر چاہیے اس کو

ہر وقت جو اس جنس کے رہتے تھے طلب گار　۱۷　کیا ہوگئے وہ جوہریانِ سخن اک بار
ہے کون، دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار　　اب ہے کوئی طالب، نہ شناسا، نہ خریدار
کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
جب اُٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

ہے آپ کی سرکار تو یا صاحبِ معراج　۱۸　خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی گو آج
ہوجائے گا دم بھر میں غنی بندۂ محتاج　　اے باعثِ ایجادِ جہاں، خلق کے سرتاج
امید اسی گھر کی، وسیلہ اسی گھر کا
دولت یہی میری، یہی توشہ ہے سفر کا

میں کیا ہوں، مری طبع ہے کیا اے شہِ شاہاں ۱۹ حسّانؔ و فرزدقؔ ہیں یہاں عاجز و حیراں
شرمندہ زمانے سے گئے وائل و سحباں قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں
کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فُصحا کی

لا یَعلَم و لا عِلم کی کیا سحر بیانی ۲۰ حضرت پہ ہویدا ہے مری ہیچ مدانی
نہ ذُہن میں ہے جودت، نہ طبیعت میں روانی گویا ہوں، فقط ہے یہ تری فیض رسانی
میں کیا ہوں فرشتوں کی طلاقت ہے تو کیا ہے
وہ خاص یہ بندے ہیں کہ مدّاح خدا ہے

تھا جوش کچھ ایسا ہی جو دعویٰ کیا میں نے ۲۱ خود سر بہ گریباں ہوں کہ یہ کیا کِیا میں نے
اک قطرۂ ناچیز کو دریا کِیا میں نے تقصیر بحل کیجئے بے جا کیا میں نے
ہاں سچ ہے کہ اتنی بھی تعلّی نہ روا تھی
مولا یہ کلیجے کے پھپھولوں کی دوا تھی

مجرم ہوں کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے ۲۲ بھولے سے بھی آپ اپنی ثنا کی نہیں میں نے
دل سے کبھی مدحِ اُمرا کی نہیں میں نے تقلیدِ کلامِ جہلا کی نہیں میں نے
نازاں ہوں محبت پہ امام ازلی کی
ساری یہ تعلّی ہے حمایت سے علیؑ کی

ہرچند زباں کیا مِری اور کیا مری تقدیر ۲۳ دن رات وظیفہ ہے ثنا خوانیٔ شبیرؑ
منظور ہے اک بات میں دو فصل کی تحریر مولا کی مدد کا مُتَمَنّی ہے یہ دل گیر
یہ فصل نئے رنگ سے کاغذ پہ رقم ہو
اک بزم ہو شادی کی تو اک صحبتِ غم ہو

شعبان کی تاریخِ سوم روزِ ولادت ۲۴ اور ہے دہم ماہِ عزا یومِ شہادت
دونوں میں بہرحال ہے تحصیلِ سعادت   وہ بھی عملِ خیر ہے، یہ بھی ہے عبادت
مدّاح ہوں کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہے
کوثر ہے صِلا اِس کا، بہشت اُس کا صلا ہے

مقبول ہوئی عرض، گنہ عفو ہوئے سب ۲۵ امید بر آئی، مِرا حاصل ہوا مطلب
شامل ہوا افضالِ محمدؐ کرمِ رب   ہوتے ہیں علم فوجِ مضامیں کے نشاں اب
پستی پہ ہیں سب رکنِ رکیں دینِ مبیں کے
ڈنکے سے ہلا دیتا ہوں طبقوں کو زمیں کے

نازاں ہُوں عنایت پہ شہنشاہِ زمن کی ۲۶ بخشی ہے رضا جائزۂ فوجِ سخن کی
چہرے کی بحالی سے قبا چُست ہے تن کی   لو برطرفی پڑگئی مضمونِ کہن کی
اک فرد پرانی نہیں دفتر میں ہمارے
بھرتی ہے نئی فوج کی لشکر میں ہمارے   مطلع دوم

ہاں اے فلکِ پیر! نئے سر سے جواں ہو ۲۷ اے ماہ شبِ چار دہم! نور فشاں ہو
اے ظلمتِ غم! دیدۂ عالم سے نہاں ہو   اے روشنئ صبحِ شبِ عید! عیاں ہو
شادی ہے ولادت کی ید اللہ کے گھر میں
خورشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

اے شمس و قمر! اور قمر ہوتا ہے پیدا ۲۸ نخلِ چمنِ دیں کا ثمر ہوتا ہے پیدا
مخدومۂ عالم کا پسر ہوتا ہے پیدا   جو عرش کی ضو ہے وہ گُہر ہوتا ہے پیدا
ہر جسم میں جاں آتی ہے مذکور سے جس کے
نَو نورِ خدا ہوں گے عیاں نور سے جس کے

اے رکن یمانی! تری شوکت کے دن آئے ۲۹ اے کعبۂ ایماں! تری راحت کے دن آئے
اے چشمۂ زمزم! تری چاہت کے دن آئے اے بیتِ مقدس! تری عزت کے دن آئے
اے سنگِ حرم! جلوہ نمائی ہوئی تجھ میں
اے کوہِ صفا! اور صفائی ہوئی تجھ میں

اے رتبۂ اعلیٰ، شہِ عالی کی ہے آمد ۳۰ اے یثرب و بطحا! ترے والی کی ہے آمد
کہتے ہیں چمن ماہ جلالی کی ہے آمد عالم کی تغیری پہ بحالی کی ہے آمد
یہ خانۂ کعبہ کے مباہات کے دن ہیں
یعقوبؑ سے یوسفؑ کی ملاقات کے دن ہیں

رونق جو سما پر ہے وہ اب ہوگی سمک پر ۳۱ اے ارضِ مدینہ تجھے فوق اب ہے فلک پر
صدقے گلِ تر ہے ترے پھولوں کی مہک پر خورشید ملا، تیرا ستارہ ہے چمک پر
پر جس پہ فرشتوں کے بچھیں، فرش وہی ہے
جس خاک پہ ہو نورِ خدا عرش وہی ہے

یا نور خدا! رحمتِ معبود مبارک ۳۲ یا ختمِ رسل! گوہرِ مقصود مبارک
یا خیر نساء! اخترِ مسعود مبارک یا شاہِ نجف! شادی مولود مبارک
رونق ہو سدا، نور دو بالا رہے گھر میں
اس ماہِ دو ہفتہ کا اُجالا رہے گھر میں

ہر بار کرو سجدۂ شکریۂ باری ۳۳ اے اُمّتیو! ہے یہ دمِ شکر گزاری
فردیں عملِ زشت کی اب چاک ہیں ساری اللہ نے حل کردیا مشکل کو تمھاری
لکھے گئے بندوں میں ولی ابنِ ولی کے
ناجی ہوئے صدقے میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے

اے ماہِ معظّم! ترے اقبال کے صدقے ۳۴ شوکت کے فدا، عظمت و اجلال کے صدقے
اُتری بَرَکت فاطمہؑ کے لال کے صدقے جس سال یہ پیدا ہوئے اُس سال کے صدقے
قرباں سحرِ عید اگر ہو تو بجا ہے
نوروز بھی اس شب کی بزرگی پہ فدا ہے

قربانِ شبِ جمعۂ شعبانِ خوش انجام ۳۵ پیدا ہوا جس شب کو محمدؐ کا گُل اندام
قائم ہوا دین اور بڑھی رونقِ اسلام ہم پلّۂ صبحِ شبِ معراج تھی وہ شام
خورشید کا اِجلال و شرف بدر سے پوچھو
کیا قدر تھی اس شب کی شبِ قدر سے پوچھو

وہ نورِ قمر اور وہ دُر افشانیٔ انجم ۳۶ تھی جس کے سبب روشنیٔ دیدۂ مردُم
وہ چہچہے رضواں کے، وہ حوروں کا تبسُّم آپس میں وہ ہنس ہنس کے فرشتوں کا تکلُّم
میکال شگفتہ ہوئے جاتے تھے خوشی سے
جبریل تو پھُولے نہ سماتے تھے خوشی سے

روشن تھا مدینے کا ہر اک کوچہ و بازار ۳۷ جو راہ تھی خوشبو، جو محلّہ تھا وہ گلزار
کھولے ہوئے تھا آہوئے شب نافۂ تا تار معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھولوں کا ہے انبار
گِردوں کو بھی اک رشک تھا زینت پہ زمیں کی
ہر گھر میں ہوا آتی تھی فردوسِ بریں کی

کیا شب تھی وہ مسعود و ہمایون و معظّم ۳۸ رخ رحمتِ معبود کا تھا جانبِ عالَم
جبریل و سرافیل کو مہلت نہ تھی اک دم بالائے زمیں آتے تھے اور جاتے تھے باہم
باشندوں کو یثرب کے خبر تھی نہ گھروں کی
سب سنتے تھے آواز فرشتوں کے پروں کی

تھیں فاطمہؑ بے چین ادھر دردِ شکم سے ۳۹ منہ فق تھا اور آنسو تھے رواں دیدۂ نم سے
وابستہ تھی راحت جو اسی بی بی کے دم سے مضطر تھے علیؑ بنتِ پیمبرؐ کے الم سے
آرام تھا اک دم نہ شہِ قلعہ شکن کو
پھرتے تھے لگائے ہوئے چھاتی سے حسنؑ کو

کرتے تھے دُعا بادشہِ یثرب و بطحا ۴۰ راحم ہے تری ذاتِ مقدس، مِرے مولا
زہرا ہے کنیز اور مِرا بچہ ترا بندا آسان کر اے بارِ خدا مشکلِ زہراؑ
نادار ہے اور فاقہ کش و زار وحزیں ہے
مادر بھی تشفی کے لئے پاس نہیں ہے

ناگاہ درِ حجرہ ہوا مطلعِ انوار ۴۱ دکھلانے لگے نورِ تجلی در و دیوار
اسما نے علیؑ سے یہ کہا دوڑ کے اک بار فرزند مبارک تمھیں یا حیدرِؑ کرار
اسپند کرو فاطمہؑ کے ماہ جبیں پر
فرزند نہیں، چاند یہ اترا ہے زمیں پر

دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پیارا ۴۲ نقشہ ہے محمدؐ سے شہنشاہ کا سارا
ماتھے پہ چمکتا ہے جلالت کا ستارہ اللہ نے اس گھر میں عجب چاند اتارا
تصویر رسولِ عربیؐ دیکھ رہے ہیں
آنکھوں کی ہے گردش کہ نبیؐ دیکھ رہے ہیں

اُمِّ سَلَمہ نے کہا یا شاہِ رسالت ۴۳ پیشانیٔ انور پہ ہے کیا نورِ امامت
لاریب کہ قرآنِ مبیں کی ہے یہ آیت تم شمعِ رسالت ہو تو یہ نورِ ہدایت
خوش ہو کہ نمازی ہے یہ دِلبند تمھارا
اللہ کے سجدے میں ہے فرزند تمھارا

مُژدہ یہ سنا احمدِؐ مختار نے جس دم ۴۴ بس شکر کے سجدے کو جھکے قبلۂ عالم
آئے طرفِ خانۂ زہراؑ خوش و خرم فرمایا مبارک پسر۔ اے ثانیٔ مریم!
چہرہ مجھے دکھلا دو مِرے نورِ نظر کا
ٹکڑا ہے یہ فرزند، محمدؐ کے جگر کا

کی عرض یہ اسما نے کہ اے خاصۂ داور! ۴۵ نہلالوں تو لے آؤں اُسے حجرے سے باہر
ارشاد کیا احمدؐ مختار نے ہنس کر لے آ کہ نواسا ہے مِرا طاہر و اطہر
اس چاند کو تاجِ سرِ اَفلاک کیا ہے
یہ وہ ہے خدا نے جسے خود پاک کیا ہے

میں اِس سے ہوں اور مجھ سے ہے یہ تُو نہیں ماہر ۴۶ یہ نو رِ الٰہی ہے، یہ ہے طیب و طاہر
اسرار جو مخفی ہیں وہ اب ہوئیں گے ظاہر یہ آیتِ ایماں ہے، یہ ہے حُجّتِ باہر
بڑھ کر مددِ سیدِ لولاک کرے گا
کفار کے قصے کو یہی پاک کرے گا

جس دم یہ خبر مُخبِرِ صادق نے سُنائی ۴۷ اسما اُسے اک پارچۂ نرم پہ لائی
بو اُس گل تازہ کی محمدؐ نے جو پائی ہنسنے لگے سرخی رُخِ پُر نور پہ آئی
منہ چاند سا دیکھا جو رسولؐ عربی نے
لپٹا لیا چھاتی سے نواسے کو نبیؐ نے

جان آگئی، یعقوبؑ نے یوسفؑ کو جو پایا ۴۸ قرآں کی طرح رحلِ دو زانو پہ بٹھایا
منہ ملنے لگے منہ سے بہت پیار جو آیا بوسے لئے اور ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا
دل ہل گیا کی جب کہ نظر سینہ و سر پر
چوما جو گلا، چل گئی تلوار جگر پر

جوش آیا تھا رونے کا مگر تھام کے رِقّت ۴۹ اِس کان میں فرمائی اذاں، اُس میں اقامت
حیدرؑ سے یہ فرمایا کہ اے شاہِ ولایت! کیوں تم نے بھی دیکھی مِرے فرزند کی صورت
پُر نور ہے گھر، تم کو ملا ہے قمر ایسا
دنیا میں کسی نے نہیں پایا پسر ایسا

کیوں کر نہ ہو، تم سا پدر اور فاطمہؑ سی ماں ۵۰ دو شمس و قمر کا ہے یہ اک نیّرِ تاباں
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے قبلۂ ایماں حق اس پہ رکھے سایۂ پیغمبرِ ذی شاں
اعلیٰ ہے وہ سب سے جو مقامِ شہ دیں ہے
بندہ ہوں میں اور یہ بھی غلامِ شہِ دیں ہے

عالم میں ہے یہ سب بَرَکت آپ کے دم سے ۵۱ سر سبزیٔ دنیا ہے اسی ابرِ کرم سے
تا عرش پہنچ جاتا ہے سر فیضِ قدم سے عزّت ہے غلاموں کی شہنشاہِ اُمم سے
کچھ اس میں نہ زہراؑ کا ہے باعث نہ علیؑ کا
سب ہے یہ بزرگی کہ نواسا ہے نبیؐ کا

فرمانے لگے ہنس کے شہِ یثرب و بطحا ۵۲ بھائی کہو فرزند کا کچھ نام بھی رکھا
کی عرض یہ حیدرؑ نے کے اے سید والا سبقت کروں حضرت پہ یہ مقدور ہے میرا؟
فرمایا کہ موقوف ہے یہ ربِّ عُلا پر
میں بھی سَبَقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پر

بس اتنے میں نازل ہوئے جبریلِ خوش انجام ۵۳ کی عرض کہ فرماتا ہے یہ خالقِ علّام
پیارا ہے نہایت ہمیں زہراؑ کا گل اندام یا ختمِ رسل! ہم نے "حسینؑ" اِس کا رکھا نام
یہ حُسن میں سردارِ حسینانِ زمن ہے
مُشتق تو ہے احسان سے، تصغیر حسنؑ ہے

ح سے یہ اشارہ کہ یہ ہے حامیِ اُمّت　۵۴　سمجھیں گے اسی سین کو سب سین سعادت
ی اس کی بزرگی میں ہے یٰسین کی آیت　　ہے نون سے ظاہر کہ یہ ہے نور نبوّت
ناجی ہے وہ اس نام کو لے گا جو دہن سے
یہ حُسن میں دس حصے زیادہ ہے حسنؑ سے

دو نور کے دریا کو جو ہم نے کیا اک جا　۵۵　تب اُس سے ہوا گوہر نایاب یہ پیدا
توقیر میں بے مثل، شجاعت میں ہے یکتا　　اب اور نہ ہوگا کوئی اس حُسن کا لڑکا
ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہے کسی پر
کام اس سے جو لینا ہے وہ ہے ختم اسی پر

فیاض نے کونین کی دولت اسے دی ہے　۵۶　دی ہے جو علیؑ کو وہ شجاعت اسے دی ہے
صبر اس کو عنایت کیا، عزت اسے دی ہے　　ان سب کے سوا اپنی محبت اسے دی ہے
اعلیٰ ہے، معظم ہے، مُکرّم ہے، ولی ہے
ہادی ہے، وفادار ہے، زاہد ہے، سخی ہے

جب کر چکے ذکرِ کرمِ مالکِ تقدیر　۵۷　جبریل نے پاس آن کے دیکھا رُخِ شبیرؑ
کی صلِّ علیٰ کہہ کے محمدؐ سے یہ تقریر　　یا شاہ یہ مہرُو تو ہے صاف آپ کی تصویر
جب کی ہے زیارت پئے تسلیم جھکے ہیں
اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں

قدسی ترے فرزند کی خدمت کے لئے ہیں　۵۸　میکال و سرافیل حفاظت کے لئے ہیں
جِنّ و پری و اِنس اطاعت کے لئے ہیں　　سامان یہ اس لال کی رحمت کے لئے ہیں
موجود ہے مرکب کے عوض دوش تمھارا
زہراؑ کی جو گودی ہے تو آغوش تمھارا

ہے اس پہ ازل سے نظرِ رحمت معبود ۵۹ یہ پیشتر آدمؑ سے بھی تھا عرش پہ موجود
ہے ذاتِ خدا صاحبِ فیض و کرم وجود تھا خلقِ دو عالم سے یہی مطلب و مقصود
مظلومی و غربت ہے عجب نام پہ اس کے
سب روتے ہیں اور روئیں گے انجام پہ اس کے

ہے یہ سببِ تہنیت و تعزیت اس دم ۶۰ ہے شادی و غم گلشنِ ایجاد میں توَ اَم
لپٹائے ہیں چھاتی سے جسے قبلۂ عالم بے جرم و خطا ذبح کریں گے اِسے اظلم
گر حشر بھی ہوگا تو یہ آفت نہ ٹلے گی
سجدے میں چھری حلقِ مبارک پہ چلے گی

ہوگا یہ محرّم میں ستم اے شہِ ذی جاہ! ۶۱ چھپ جائے گا آنکھوں سے اسی چاند میں یہ ماہ
تاریخِ دہم، جمعہ کے دن، عصر کے وقت آہ نیزے پہ چڑھائیں گے سرِ پاک کو گمراہ
کٹ جائے گا سر جب تو ستم لاش پہ ہوں گے
گھوڑوں کے قدم سینۂ صد پاش پہ ہوں گے

چلّائے محمدؐ کہ میں بسمل ہوا بھائی ۶۲ اے وائے اَخی! کیا یہ خبر مجھ کو سُنائی
دل ہل گیا، برچھی سی کلیجے میں در آئی یہ واقعہ سُن کر نہ جیے گی مِری جائی
ممکن نہیں دنیا میں دوا زخمِ جگر کی
کیوں کر کہوں زہراؑ سے خبر مرگِ پسر کی

جس وقت سنی فاطمہؑ نے یہ خبرِ غم ۶۳ شادی میں ولادت کی بپا ہوگیا ماتم
چلّاتی تھی سر پیٹ کے وہ ثانیِ مریم بیٹی پہ چھری چل گئی یا سیّدِ عالم
خنجر کے تلے چاند سی تصویر کی گردن
کٹ جائے گی ہے ہے مرے شبّیرؑ کی گردن

ہے ہے کئی دن تک نہ ملے گا اِسے پانی　۶۴　ہے ہے یہ سہے گا تعبِ تشنہ دہانی
ہوجائیں گے اک جان کے سب دُشمنِ جانی　　ہے ہے مِرا محبوب، مِرا یوسفِ ثانی
پیراہنِ صد چاک کفن ہووے گا اس کا
سر نیزہ پہ اور خاک پہ تن ہووے گا اس کا

صبر اپنا دکھانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں　۶۵　یوں خلق سے جانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
جنگل کے بسانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں　　امّاں کے رُلانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
ہم چاند سی صورت پہ نہ شیدا ہوئے ہوتے
اے کاش مِرے گھر میں نہ پیدا ہوئے ہوتے

دنیا مجھے اندھیر ہے اِس غم کی خبر سے　۶۶　شعلوں کی طرح آگ نکلتی ہے جگر سے
دامن پہ ٹپکتا ہے لہو دیدۂ تر سے　　بس آج سفر کر گئی شادی مِرے گھر سے
جس وقت تلک جیتی ہوں ماتم میں رہوں گی
مظلوم حسینؑ آج سے اِس کو میں کہوں گی

بیٹی کو یہ معلوم نہ تھا یا شہِ عالم　۶۷　بچھّے گی زچہ خانے کے اندر صفِ ماتم
اب دن ہے چھٹی کا مجھے عاشُورِ محرم　　تارے بھی نہ دیکھے تھے کہ ٹوٹا فلکِ غم
پوشاک نہ بدلوں گی نہ سر دھوؤں گی بابا
چلّے میں بھی چہلم کی طرح روؤں گی بابا

حیدرؑ ہیں کہاں، آ کے دلاسا نہیں دیتے　۶۸　زہراؑ کا بُرا حال ہے، سمجھا نہیں دیتے
اس زخم کا مرہم مجھے بتلا نہیں دیتے　　ہے ہے مجھے فرزند کا پُرسا نہیں دیتے
حجرے میں الگ بیٹھے ہیں کیوں چھوڑ کے گھر کو
آواز تو سنتی ہوں کہ روتے ہیں پسر کو

پھر دیکھ کے فرزند کی صورت یہ پکاری ۶۹ اے میرے شہید، اے مرے بیکس ترے واری
ہاں بعد مرے ذبح کریں گے تجھے ناری بنتی ہوں ابھی سے میں عزادار تمھاری
دل اور کسی شغل میں مصروف نہ ہوگا
بس آج سے رونا مِرا موقوف نہ ہوگا

مرجائے گا تو تشنہ دہن ہائے حُسینا! ۷۰ ہوجائے گا ٹکڑے یہ بدن ہائے حُسینا!
اک جان پہ یہ رنج و محن ہائے حُسینا! کوئی تجھے دے گا نہ کفن ہائے حُسینا!
گاڑیں گے نہ ظالم تنِ صد پاش کو ہے ہے
رہواروں سے روندیں گے تری لاش کو ہے ہے

فرمایا محمدؐ نے کہ اے فاطمہ زہرؑا! ۷۱ کیا مرضیٔ معبود سے بندے کا ہے چارا
خالق نے دیا ہے اسے وہ رُتبۂ اعلیٰ جبریلؑ سوا کوئی نہیں جاننے والا
میں بھی ہوں فدا اس پہ کہ یہ فدیۂ رب ہے
یہ لال ترا بخششِ اُمت کا سبب ہے

اس بات کا غم ہے اگر اے جانِ پیمبرؐ ۷۲ بے دفن و کفن رن میں رہے گا ترا دلبر
جب قید سے ہووے گا رہا عابدؑ مضطر تربت میں اُسے دفن کرے گا وہی آ کر
ارواحِ رسولانِ زمن روئیں گی اس کو
سر پیٹ کے زینبؑ سی بہن روئیں گی اس کو

جب چرخ پہ ہوئے گا عیاں ماہِ محرم ۷۳ ہر گھر میں بپا ہوئے گی اک مجلسِ ماتم
آئیں گے ملک عرش سے واں رونے کو باہم ماتم یہ وہ ماتم ہے کہ ہوگا نہ کبھی کم
پُر نور سدا اِس کا عزا خانہ رہے گا
خورشیدِ جہاں گرد بھی پروانہ رہے گا

کہہ کر یہ سخن روئے بہت احمدؐ مختار ۷۴ منہ رکھ دیا ہونٹوں پہ نواسے کے کئی بار
یوں لپٹے دہن کھول کے شبیرؑ خوش اطوار جس طرح کوئی دودھ کا ہوتا ہے طلبگار
جوش آ گیا الفت کا دلِ شاہِ زمن میں
مولا نے زباں دے دی نواسے کے دہن میں

یوں چوسی نواسے نے زبانِ شہِ والا ۷۵ جس طرح پیے دودھ مزے سے کوئی ماں کا
اللہ رے لُعابِ دہنِ پاک کا رتبہ نہریں عَسل و شیر کی جاری ہوئیں گویا
شیریں ہیں لب و کام و دہن جس کے بیاں سے
پوچھے وہ حلاوت کوئی حضرتؐ کی زباں سے

سوجاتے تھے یوں شیرِ زباں چوس کے حضرتؑ ۷۶ جو دودھ پہ ماں کے بھی نہ پھر ہوتی تھی رغبت
بچپن میں تو خالق نے عطا کی تھی یہ نعمت مرتے ہوئے پانی نہ مِلا وائے مصیبت
بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

کیا اَوج ہے کیا رتبہ ہے اس بزمِ عزا کا ۷۷ غل عرش سے ہے فرش تلک صلّ علا کا
مشتاق ہے فردوسِ بریں یاں کی فضا کا پانی میں بھی یاں کے ہے مزا آبِ بقا کا
دربارِ معلّٰی ہے ولی ابنِ ولی کا
جاری ہے یہ سب فیض حسینؑ ابنِ علیؑ کا

یارب مِری فریاد میں تاثیر عطا کر ۷۸ بلبل بھی پھڑک جائے وہ تقریر عطا کر
توفیقِ ثناخوانیٔ شبیرؑ عطا کر مدّاح کو اب خلد کی جاگیر عطا کر
دعویٰ نہ سخن کا ہے، نہ اعجاز بیاں ہُوں
تو عالم و دانا ہے کہ میں ہیچ مداں ہُوں

۷۹
وہ فصلِ خوشی ختم ہوئی غم کا بیاں ہے — لو، یاں سے بس اب مجلسِ ماتم کا بیاں ہے
مطلع سوم ہنگامۂ عاشورِ محرّم کا بیاں ہے — مظلومیِ سلطانِ دو عالم کا بیاں ہے
ہاں دیکھ لے مشتاق جو ہو فوجِ خدا کا
لو بزم میں کھُلتا ہے مُرقّع شہدا کا

۸۰
مجروح ہیں اعضا، کہیں تن ہے، کہیں سر ہے — جو چاندسی تصویر ہے وہ خون سے تر ہے
برچھی تو کلیجے میں ہے، برچھی میں جگر ہے — دیکھو تو یہ کس باپ کا مظلوم پسر ہے
ٹکڑے ہے جو دولھا، یہ جگر بند ہے کس کا
یہ تیر سے مارا ہوا فرزند ہے کس کا

۸۱
مرنے پہ بھی نکلی نہ تھی قبضے سے ترائی — دریا پہ جو سوتا ہے وہ کس کا ہے فدائی
کس شیر کا فرزند ہے یہ، کس کا ہے بھائی — گرمی میں عجب سرد جگہ سونے کو پائی
اس شان پہ کیونکر ہو گماں اور کسی کا
شوکت سے یہ ظاہر ہے کہ بیٹا ہے علیؑ کا

۸۲
کس باپ کے پیارے ہیں یہ کس ماں کے ہیں دلبند — ریتی پہ جو سوتے ہیں یہ دو چاند سے فرزند
یہ حیدرؑ جعفرؑ کے کلیجے کے ہیں پیوند — جلوے میں مہِ چاردہم سے بھی ہیں وہ چند
پایا نہیں پانی بھی کسی تشنہ دہن نے
قرباں کیا ہے اِنھیں بھائی پہ بہن نے

۸۳
اے نیّرِ تابانِ خِرد! جلوہ گری کر — اے خضرِ بیابانِ سخن! راہبری کر
اے خوفِ الٰہی! مجھے عصیاں سے بری کر — اے درد! عطا لذتِ زخمِ جگری کر
بندوں میں لکھا جاؤں امامِ ازلی کے
آزاد ہوں صدقے میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے

قدسی کو نہیں بار، یہ دربار ہے کس کا　۸۴　فردوس کو ہے رشک، یہ گلزار ہے کس کا
سب جنسِ شفاعت ہے، یہ بازار ہے کس کا　خود بِکتا ہے یوسفؑ، یہ خریدار ہے کس کا
ملتی ہے کہاں مُفت متاعِ حسن ایسی
دیکھی نہیں انجم نے کبھی انجمن ایسی

مجلس کا زہے نور، خوشا محفلِ عالی　۸۵　حیدرؑ کے محبّوں سے کوئی جا نہیں خالی
عاشق ہیں سب اُس کے جو ہے کونین کا والی　اثنا عشری، پنجتنی، شیعۂ غالی
ششدر نہ ہو کیوں چرخ، عجب جلوہ گری ہے
یہ بزمِ عزا آج ستاروں سے بھری ہے

ان میں جو مُسِن ہیں وہ پیمبرؐ کے ہیں مہماں　۸۶　اور جو مُتَوَسِّط ہیں وہ حیدرؑ کے ہیں مہماں
جو تازہ جواں ہیں علی اکبرؑ کے ہیں مہماں　شیعوں کے پسر سب علی اصغرؑ کے ہیں مہماں
ہر خورد و کلاں عاشقِ شاہِ مدنی ہے
پانچ انگلیوں کی طرح سے وہ پنجتنی ہے

ارشاد نبیؐ ہے کہ مددگار ہیں میرے　۸۷　فرماتے ہیں حیدرؑ کہ یہ غمخوار ہیں میرے
حضرت کا سخن ہے کہ عزادار ہیں میرے　میں ان کا ہوں طالب یہ طلبگار ہیں میرے
یہ آج اگر رو کے ہمیں یاد کریں گے
ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے

غم میں مرے بچوں کے یہ سب کرتے ہیں فریاد　۸۸　اللہ سلامت رکھے ان لوگوں کی اولاد
بستی مرے شیعوں کی رہے خلق میں آباد　یہ حشر کے دن آتشِ دوزخ سے ہوں آزاد
مرتا ہے کوئی گر تو بُکا کرتا ہوں میں بھی
اُس کے لئے بخشش کی دعا کرتا ہوں میں بھی

مرُدم کے لئے واجبِ عینی ہے یہ زاری ۸۹ رونا ہی وسیلہ ہے شفاعت کا ہماری
ہے وقتِ معیّن پہ ادا طاعتِ باری یہ خیر ہے وہ خیر جو ہر وقت ہے جاری
رولو کہ یہ وقت اور یہ صحبت نہ ملے گی
جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی

مہلت جو اجل دے تو غنیمت اِسے جانو ۹۰ آمادہ ہو رونے پہ سعادت اِسے جانو
آنسو نکل آئیں تو عبادت اِسے جانو ایذا ہو جو محفل میں تو راحت اِسے جانو
فاقے کئے ہیں دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں
آقا نے تمھارے لئے کیا ظلم سہے ہیں

تکلیف کچھ ایسی نہیں، سایا ہے، ہوا ہے ۹۱ پانی ہے خُنک، مِروَحہ کش بادِ صبا ہے
کچھ گرمئ عاشور کا بھی حال سُنا ہے سر پیٹنے کا وقت ہے ہنگامِ بُکا ہے
گزری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہِ دیں پر
بھُن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

لوں چلتی تھی ایسی کہ جلے جاتے تھے اشجار ۹۲ تھا عُنصرِ خاکی پہ گُمانِ کُرَہِ نار
پانی پہ دَد دوام گرے پڑتے تھے ہر بار سب خلق تو سیراب تھی پیاسے شہِ ابرار
خاک اُڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ، قبا پر
اس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

قطرے جو پسینے کے ٹپک پڑتے تھے ہر بار ۹۳ ثابت یہی ہوتا تھا کہ ہیں اختر و سیّار
شاہد المِ فاقہ پہ ہے زردئ رخسار بے آبی سے اودے تھے لبِ لعلِ گُہر بار
دنیا میں ترستے رہے وہ آبِ رواں کو
جن ہونٹوں نے چُوسا تھا محمدؐ کی زباں کو

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں ۹۴ وہ گل ہے یہ گل، بوئے محبّت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست، مروّت نہیں جس میں وہ شہد ہے یہ شہد، حلاوت نہیں جس میں
بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

گودی ہے کبھی ماں کی، کبھی قبر کا آغوش ۹۵ گل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سرگرمِ سخن ہے کبھی انساں، کبھی خاموش گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بسرِ دوش
اک طَور پہ دیکھا نہ جواں کو، نہ مُسِن کو
شب کو تو چھپر کھٹ میں ہیں تابوت میں دن کو

شادی ہو کہ اندوہ ہو، آرام ہو یا جَور ۹۶ دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی بہر طَور
ماتم کی کبھی فصل ہے، عشرت کا کبھی دَور ہے شادی و ماتم کا مرقّع جو کرو غَور
کس باغ پہ آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا
گل کون سا کِھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

ہے عالمِ فانی کی عجب صبح، عجب شام ۹۷ گہ غم، کبھی شادی، کبھی ایذا، کبھی آرام
نازوں سے پَلا فاطمہ زہراؑ کا گل اندام وا حسرتِ و دردا کہ وہ آغاز، یہ انجام
راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دہُم تک
مظلوم نے فاقے کئے ہفتم سے دہُم تک

ریتی پہ عزیزوں کا مُرَقّع تو ہے ابتر ۹۸ شہ کا ہے یہ نقشہ کہ ہیں تصویر سے ششدر
فرزند نہ مسلم کے، نہ ہمشیر کے دلبر قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ، نہ اکبرؑ ہیں نہ اصغرؑ
سب نذر کو دربارِ پیمبرؐ میں گئے ہیں
رخصت کو اکیلے شہِ دیں گھر میں گئے ہیں

منظور ہے پھر دیکھ لیں ہمشیر کی صورت ۹۹ پھر لے گئی ہے گھر میں سکینہؑ کی محبت
سجادؑ سے کچھ کہنے ہیں اَسرارِ امامت بانوئے دو عالم سے بھی ہے آخری رخصت
مطلوب ہے یہ زیبِ بدن رختِ کہن ہو
تا بعدِ شہادت وہی ملبوس کفن ہو

خیمے میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت ۱۰۰ اک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا پہ جانا تھا قیامت تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانہ تھا قیامت
واں بین، اِدھر صبر و شکیبائی کی باتیں
افسانۂ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں

حضرت کا وہ کہنا کہ بہن صبر کرو صبر ۱۰۱ امت کے لئے والدہ صاحب نے سہے جبر
وہ کہتی تھی کیونکر نہ میں رووں صفتِ ابر تم پہنو کفن اور نہ بنے ہائے مِری قبر
لٹتے ہوئے امّاں کا گھر ان آنکھوں سے دیکھوں
ہے ہے تہِ خنجر تمھیں کن آنکھوں سے دیکھوں

اِس عمر میں تھوڑے غم جانکاہ اُٹھائے ۱۰۲ اشک آنکھوں سے امّاں کے جنازے پہ بہائے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خوں میں نہائے ٹکڑے دلِ شبّرؑ کے لگن میں نظر آئے
حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی
انساں ہوں کلیجہ مِرا پتھر نہیں بھائی

ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا ۱۰۳ دشوار ہے اک آن مسافر کا ٹھہرنا
اِن آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گزرنا ہے سب سے سِوا ہائے یہ مظلومی کا مرنا
صدقے گئی یوں رن کبھی پڑتے نہیں دیکھا
اک دن میں بھرے گھر کو اُجڑتے نہیں دیکھا

ہے ہے تمھیں لے کے میں کہاں چھپ رہوں بھائی ۱۰۴ لٹتی ہے مرے چار بزرگوں کی کمائی
کس دشتِ پُر آشوب میں قسمت مجھے لائی یارب کہیں مرجائے یدُاللہ کی جائی
زہراؑ کا پسر وقتِ جُدائی مجھے روئے
سب کو تو میں روئی ہوں، یہ بھائی مجھے روئے

زینبؑ کی وہ زاری، وہ سکینہؑ کا بلکنا ۱۰۵ وہ ننھی سی چھاتی میں کلیجے کا دھڑکنا
وہ چاند سا منہ اور وہ بُندے کا چمکنا حضرت کا وہ بیٹی کی طرف یاس سے تکنا
حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذور ہیں بی بی
پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی

وہ کہتی تھی بابا ہمیں چھاتی سے لگاؤ ۱۰۶ فرماتے تھے شہ آؤ نا، جانِ پدر آؤ
ہم کڑھتے ہیں لو آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ خوشبو تو ذرا گیسوئے مشکیں کی سنگھاؤ
کوثر پہ ہے تم بن نہیں آرام چچا کو
ہم جاتے ہیں کچھ دیتی ہو پیغام چچا کو؟

بی بی کہو کیا حال ہے اب ماں کا تمھاری ۱۰۷ کس گوشے میں بیٹھی ہیں، کہاں کرتی ہیں زاری
جب سے سوئے جنت گئی اکبرؑ کی سواری دیکھا نہ انھیں گھر میں ہم آئے کئی باری
تھی سب کی محبت انھیں بیٹے ہی کے دم تک
کیا آخری رخصت کو بھی آئیں گی نہ ہم تک

کس جا ہیں طلب ہم کو کریں یا وہی آئیں ۱۰۸ ممکن نہیں اب وہ ہمیں یا ہم اُنھیں پائیں
کچھ ہم سے سُنیں، کچھ ہمیں حال اپنا سُنائیں اک دم کے مسافر ہیں، ہمیں دیکھ تو جائیں
بعد اپنے یہ لُوٹا ہوا گھر اور لُٹے گا
افسوس کہ اک عمر کا ساتھ آج چھٹے گا

غش میں جو سُنی بانوئے مضطر نے یہ تقریر ۱۰۹ ثابت ہوا مرنے کو چلے حضرتِ شبّیرؑ
سر ننگے اُٹھی چھوڑ کے گہوارۂ بے شیر چلّائی مجھے ہوش نہ تھا یا شہِ دل گیر
جاں تن سے کوئی آن میں اب جاتی ہے آقا
یہ خادمہ رخصت کے لئے آتی ہے آقا

یہ سن کے بڑھے چند قدم شاہِ خوش اقبال ۱۱۰ قدموں پہ گری دوڑ کے وہ کھولے ہوئے بال
تھا قبلۂ عالم کا بھی اُس وقت عجب حال روتے تھے غضب آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
فرماتے تھے جانکاہ جُدائی کا الم ہے
اُٹھو تمہیں روحِ علی اکبرؑ کی قسم ہے

وہ کہتی تھی کیونکر میں اُٹھوں اے مِرے سرتاج ۱۱۱ والی! انہیں قدموں کی بدولت ہے مِرا راج
سر پر جو نہ ہوگا پسرِ صاحبِ معراج چادر کے لئے خلق میں ہوجاؤں گی محتاج
چھوٹے جو قدم مرتبہ گھٹ جائے گا میرا
قربان گئی، تخت اُلٹ جائے گا میرا

یاں آئی میں جب خانۂ کسریٰ ہوا برباد ۱۱۲ وہ پہلی اسیری کی اذیّت ہے مجھے یاد
کی عقدہ کشائے دو جہاں نے مِری امداد حضرت کے تصدّق میں ہوئی قید سے آزاد
لونڈی سے بہو ہوگئی زہرؑا و علیؑ کی
قسمت نے بٹھایا مجھے مسند پہ نبیؐ کی

چھبّیس برس تک نہ چُھٹا آپ کا پہلو ۱۱۳ اب ہجر ہے تقدیر میں یا سیّدِ خوش خو
ہر شب رہے تکیہ سر اقدس کا جو بازو ہے ہے اُسے اب رسّی سے باندھیں گے جفاجو
سر پر نہ ردا ہوگی تو مرجاؤں گی صاحب
چھپنے کو میں جنگل میں کدھر جاؤں گی صاحب

ہر عاشق و معشوق نے یہ داغ سہا ہے ۱۱۴ حضرت نے کہا کس کا سدا ساتھ رہا ہے
ہر چشم سے خونِ جگر اس غم میں بہا ہے دارِ محن اس دار کو داور نے کہا ہے
فرقت میں عجب حال تھا خالق کے ولی کا
ساتھ آٹھ برس تک رہا زہراؑ و علیؑ کا

اس موت نے دم بھر میں جُدا کر دیا اُن کو ۱۱۵ سو سو برس اس گھر میں محبت سے رہے جو
ہے شاق فلک کو کہ رہیں ایک جگہ دو کچھ مرگ سے چارہ نہیں اے بانوئے خوش خُو
کس کس پہ زمانے نے جفا کی نہیں صاحب
اچھّوں سے کبھی اس نے وفا کی نہیں صاحب

تھامے گا تباہی میں وہی رانڈ کے گھر کو ۱۱۶ لازم ہے خدا سے طلبِ خیر بشر کو
وارث کی جدائی میں پٹکتے نہیں سر کو آنا ہے تمھیں بھی وہیں جاتے ہیں جدھر کو
کھولے گا وہ رسّی سے بندھے ہاتھ تمھارے
سجّادؑ سا بیٹا ہے جواں ساتھ تمھارے

ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بیکس و ناچار ۱۱۷ زینبؑ کو تو دیکھو کہ ہیں کس دکھ میں گرفتار
دنیا سے گیا اکبرِ ناشاد سا غمخوار تنہا ہیں کہ بے جاں ہوئے دو چاند سے دلدار
بیٹے بھی نہیں، گود کا پالا بھی نہیں ہے
ان کو تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے

بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں ۱۱۸ یہ کہہ کے کچھ آہستہ کہا گوشِ پسر میں
غش ہوگئی زینبؑ یہ اُٹھا درد جگر میں اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں
ٹھہرا نہ گیا پھر شہِ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

کچھ پڑھ کے پھرے جانبِ قبلہ شہِ بے پر ۱۱۹ کج کی طرف دوشِ یمیں گردنِ انور
تھراتے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر
حُرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل اُن کی تباہی میں پڑی ہے

یارب ہے یہ سادات کا گھر تیرے حوالے ۱۲۰ رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے سب ہیں ترے دریا کے گہر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتار بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

میرے نہیں، بندے ہیں ترے اے مرے خالق ۱۲۱ بستی ہو کہ جنگل تو ہی حافظ، تو ہی رازق
باندھے ہیں کمر ظلم و تعدّی پہ منافق نے دوست ہے دنیا، نہ زمانہ ہے موافق
حرمت ہے ترے ہاتھ امامِ ازلی کی
دو بیٹیاں دو بہوئیں ہیں اس گھر میں علیؑ کی

میں یہ نہیں کہتا کہ اذیت نہ اُٹھائیں ۱۲۲ یا اہلِ ستم آگ سے خیمے نہ جلائیں
ناموس لٹیں، قید ہوں اور شام میں جائیں مہلت مِرے لاشے پہ بھی رونے کی نہ پائیں
بیڑی میں قدم، طوق میں عابد کا گلا ہو
جس میں ترے محبوب کی اُمّت کا بھلا ہو

یہ کہہ کے گریبانِ مُبارک کو کیا چاک ۱۲۳ اور ڈال لی پیراہنِ پُرنور میں کچھ خاک
میّت ہوئے شبّیرؑ، کفن بن گئی پوشاک بس فاتحۂ خیر پڑھا با دلِ غم ناک
مُڑ کر نہ کسی دوست نہ غم خوار کو دیکھا
پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا

گردان کے دامن علی اکبرؑ کو پکارے ۱۲۴ تھامو مرے گھوڑے کی رکاب اے مرے پیارے
لختِ دلِ شبرؑ کدھر اس وقت سدھارے بھائی ہیں کہاں ہاتھ میں دیں ہاتھ ہمارے
آتے نہیں مسلمؑ کے جگر بند کہاں ہیں
دونوں مری ہمشیر کے فرزند کہاں ہیں

تنہائی میں اک ایک کو حضرت نے پکارا ۱۲۵ کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا
گھوڑے پہ چڑھا خود اسدُ اللہ کا پیارا اونچا ہوا افلاکِ امامت کا ستارا
شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر
غل تھا کہ چلا قطبِ زماں عرشِ بریں پر

شبدیز نے چھل بل میں عجب ناز دکھایا ۱۲۶ ہر گام پہ طاؤس کا انداز دکھایا
زیور نے عجب حسنِ خدا ساز دکھایا فتراک نے اوجِ پرِ پرواز دکھایا
تھا خاک پہ اک پاؤں تو اک عرش بریں پر
غل تھا کہ پھر اُترا ہے بُراق آج زمیں پر

بجلی کو نہ تھا اس کی جِلَو لینے کا یارا ۱۲۷ رہوار کو دُلدُل کا چلن یاد تھا سارا
اُڑنے میں نہ آہو کبھی جیتا، نہ چکارا شہباز بھی بازی اسی جانباز سے ہارا
طاؤس کا کیا ذکر، پری سے بھی حَسیں تھا
سایہ تھا کہیں دھوپ میں اور آپ کہیں تھا

جانباز نے طے کی عجب انداز سی وہ راہ ۱۲۸ لے آئی سلیماںؑ کو ہوا تا صفِ جنگاہ
وہ رعب، وہ شوکت، وہ نہیبِ شہِ ذی جاہ دُلدُل کو اُڑاتے ہوئے آئے اسدُ اللہ
غل تھا یہ محمدؐ ہیں کہ خالق کے ولی ہیں
اِقبال پکارا کہ حسینؑ ابنِ علیؑ ہیں

صَولت نے کہا تاجِ سرِ کون و مکاں ہیں ۱۲۹ نصرت نے صدا دی کہ مددگارِ جہاں ہیں
غربت نے کہا فاقہ کش و تشنہ دہاں ہیں گویا ہوئی ہمت کہ محمدؐ کی زباں ہیں
سَطوَت یہ پکاری بخدا شیر یہی ہیں
بولی ظفر، اللہ کی شمشیر یہی ہیں

ذرّوں نے شہِ شرق کے پہلُو کو دبایا ۱۳۰ عکسِ رخِ روشن جو چمکتا ہوا آیا
کرسی سے زمیں کہتی تھی دیکھا مِرا پایا جنگل میں پری بن گیا ہر نخل کا سایہ
تھی چاندنی خورشیدِ فلک شرم سے گُم تھا
وہ روزِ دہُم رشکِ شبِ چاردہُم تھا

تھرّاتے تھے سب دیکھ کے صَولت شہِ دیں کی ۱۳۱ تنہا تھے، پہ اللہ ری جلالت شہِ دیں کی
غُل تھا کہ یہ آخر ہے زیارت شہِ دیں کی گردوں پہ ملک تکتے تھے صورت شہِ دیں کی
خود حُسن یہ کہتا تھا کہ شمعِ سَحَری ہُوں
شبیرؑ کا کیا کوچ ہے، میں بھی سفری ہُوں

یہ حُسن میں ہے ماہِ دوہفتہ سے دوبالا ۱۳۲ ہاں دیکھ لو تنویرِ جبینِ شہِ والا
اندھیر ہے پر جب نہ رہا اس کا اجالا ہے برقِ تجلّی اسی مہتاب کا ہالا
آنکھوں سے نہاں ہوگی جو یہ نور کی صورت
ہو جائیں گی صبحیں شبِ دیجور کی صورت

اِس کعبۂ ابرُو سے نہ ہوگا شمع افروز ۱۳۳ گر لاکھ جلائے گا دل اپنا کوئی دِلسوز
دیکھیں گے یہ زلفیں، نہ یہ رخسارِ دل افروز گردش میں رہیں گے جو مہ و مہر شب و روز
کلیاں تو بہت باغ میں نرگس کی کھلیں گی
ڈھونڈیں گی جو مردُم کو تو آنکھیں نہ ملیں گی

خوبیِ دہن ولب کی سمجھنے میں سب حیراں ۱۳۴ روئیں گے جو یاد آئے گا یہ سینۂ تاباں
مِلنا دُر و یاقوت کا مشکل نہیں چنداں دیکھو گے زمانے میں نہ ایسے لب و دنداں
یہ دُرِّ گراں مایہ صدف میں نہ ملیں گے
کیا ذکر صدف کا ہے، نجف میں نہ ملیں گے

چھانے گی اگر بادِ صبا خاک چمن کی ۱۳۵ خوشبو کہیں پائے گی نہ اس سیبِ ذقن کی
ضَو دیکھ رگِ گردنِ سردارِ زَمن کی پرتَو سے زمیں غیرتِ آئینہ ہے رن کی
سوزِ غمِ فُرقت کو نہ بیگانوں سے پوچھو
اِس شمع کے بجھ جانے کو پروانوں سے پوچھو

یہ صدر جو الہامِ الٰہی کا ہے مصدر ۱۳۶ دل علم کا، اسلام کا گھر، شرع کا مظہر
دیندار سمجھتے ہیں اسے مصحفِ اکبر ہوجائے گا وقفِ تبرو نیزہ و خنجر
کاٹیں گے ہر اِک جزوِ تنِ شاہِ امم کو
کھُل جائے گا شیرازۂ قرآں کوئی دم کو

ان ہاتھوں کو اب لائیں گے مشکل میں کہاں سے ۱۳۷ زخمی انھیں کردیں گے لعیں تیغ و سناں سے
جاری تھی عجب خیر شہِ کون و مکاں سے ہیہات چلا عقدہ کشا آج جہاں سے
یوں تجھ پہ نہ اِن ہاتھوں کا احوال کھُلے گا
مشکل کوئی پڑ جائی گی تب حال کھُلے گا

لو مومنو! سُن لو شہِ ذی جاہ کی تقریر ۱۳۸ حضرت یہ رجز پڑھتے تھے تولے ہوئے شمشیر
دیکھو نہ مٹاؤ مجھے اے فرقۂ بے پیر میں یوسفِؑ کنعانِ رسالت کی ہوں تصویر
واللہ تعلّی نہیں یہ کلمۂ حق ہے
عالم کے مرقعے میں حسینؑ ایک ورق ہے

محتاج ہوں پر مجھ سا تونگر نہیں کوئی ۱۳۹ واللہ جہاں میں مِرا ہمسر نہیں کوئی
یوں سب ہیں مگر سبطِ پیمبرؐ نہیں کوئی ہاں میرے سوا شافعِ محشر نہیں کوئی
باطل ہے اگر دَعوَئ اعجاز کرے گا
کس بات پہ دنیا میں کوئی ناز کرے گا

سرداریٔ فردوس کا افسر ہمیں بخشا ۱۴۰ ہم وہ ہیں کہ اللہ نے کوثر ہمیں بخشا
قدرت ہمیں دی، زور ہمیں زر، ہمیں بخشا اقبالِ علیؑ، خلقِ پیمبرؐ ہمیں بخشا
ہم نور ہیں گھر طُورِ تجلّیٰ ہے ہمارا
تختِ بنِ داوٗد مصلاّ ہے ہمارا

قوسین مکاں، ختمِ رسل، صاحبِ معراج ۱۴۱ نانا وہ کہ ہیں جن کے قدم عرش کے سرتاج
باپ ایسا، صنم خانوں کو جس نے کیا تاراج ماں ایسی کہ سب جس کی شفاعت کے ہیں محتاج
لڑنے کو اگر حیدرؑ صفدر نہ نکلتے
بت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے

کس مرحلۂ صَعب کو سر کر کے نہ آئے ۱۴۲ کس جنگ میں سینے کو سپر کر کے نہ آئے
تھی کون سی شب جس کو سحر کر کے نہ آئے کس فوج کی صف زیر و زبر کر کے نہ آئے
تھا کون جو ایماں تہِ صمصام نہ لایا
اُس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

طاقت تھی کہ عُزّیٰ کو کوئی لات سے توڑے ۱۴۳ اصنام نہ کچھ کم تھے نہ کفار تھے تھوڑے
بے توڑے وہ بُت حیدرؑ صفدر نے نہ چھوڑے بدکیشوں نے سجدے بھی کئے، ہاتھ بھی جوڑے
کعبے کو صفا کر دیا خالق کے کرم سے
نکلے اسد اللہ اذاں دے کے حرم سے

۱۴۴
وہ کیا ہے جو اللہ نے بخشا نہیں ہم کو
ہے کون سا وہ فخر کہ زیبا نہیں ہم کو
کیا بات ہے خود خواہشِ دنیا نہیں ہم کو
واللہ کسی چیز کی پروا نہیں ہم کو
غافل ہے وہ دنیا کے مزے جس نے لئے ہیں
بابا نے مِرے تین طلاق اس کو دیئے ہیں

۱۴۵
انگلی نہیں کنجی ہیں یہ اسرارِ خدا کے
جو چاہیں جسے بخش دیں ہم ہاتھ اٹھا کے
بھر دیتے ہیں فاقوں میں بھی کاسے فقرا کے
خالی کوئی جاتا نہیں دروازے پہ آ کے
سر دیتے ہیں سائل کو جگر بندِ علیؑ ہیں
فیّاض کے بندے ہیں، سخی ابنِ سخی ہیں

۱۴۶
جرّار پسر حیدرؑ کرّار کے ہم ہیں
اس عہد میں مالک اُسی تلوار کے ہم ہیں
وارث شہِ لولاک کی سرکار کے ہم ہیں
فرزند، محمدؐ سے جہاں دار کے ہم ہیں
کچھ غیرِ کفن ساتھ نہیں لے کے گئے ہیں
تابوتِ سکینہؑ بھی ہمیں دے کے گئے ہیں

۱۴۷
یہ تیغِ علیؑ ہے، یہ کمر بندِ حسنؑ ہے
یہ فرق پہ عمّامۂ سردارِ زمن ہے
یہ پیرہنِ یوسفِ کنعانِ محن ہے
یہ جوشنِ داؤد ہے جو حافظِ تن ہے
دکھلائیں سند دستِ رسولِ عربیؐ کی
یہ مُہرِ سلیماں ہے، یہ خاتم ہے نبیؐ کی

۱۴۸
کس شیر کے قبضے میں ہے کرّار کی تلوار
دیکھو تو یہ ہے کون سے جرّار کی تلوار
بجلی کی تو یہ بجلی ہے، تلوار کی تلوار
دریا نے بھی دیکھی نہیں اس دھار کی تلوار
قہر و غضب اللہ کا ہے کاٹ نہیں ہے
کہتے ہیں اسے موت کا گھر، گھاٹ نہیں ہے

چلنے میں سبک تر ہے گرانی نہیں اس میں ۱۴۹ دم لے کہیں رک کر وہ روانی نہیں اس میں
جل جاؤ گے سب، آگ ہے، پانی نہیں اس میں جز حرفِ ظفر اور نشانی نہیں اس میں
چھوڑے گی نہ زندہ اُسے جو دشمنِ دیں ہے
نا بیں نہیں، غصے سے اجل چیں بہ جبیں ہے

سر اُڑنے کی آندھی دمِ پیکار چلے گی ۱۵۰ کچھ بس نہ چلے گا جو یہ خونخوار چلے گی
اُگلے گا لہو چرخ وہ تلوار چلے گی تھم جائے گی اک بار تو سَو بار چلے گی
میداں سے کہیں بھاگ کے جانا نہ ملے گا
دم لینے کا دنیا میں ٹھکانہ نہ ملے گا

طفلی سے حمائل رہے آغوشِ نبیؐ میں ۱۵۱ ہم سے کوئی اعلیٰ نہیں عالی نَسَبی میں
تفسیر ہیں قرآن کی ہم تشنہ لبی میں ہم مصحفِ ناطق ہیں زبانِ عربی میں
مخفی ہیں جو رتبے وہ عیاں ہو نہیں سکتے
خود ہم سے شرف اپنے بیاں ہو نہیں سکتے

ہر نقطۂ قرآں کے شناسا ہیں تو ہم ہیں ۱۵۲ سب قطرے ہیں، گر فیض کے دریا ہیں تو ہم ہیں
افضل ہیں تو ہم، عالم و دانا ہیں تو ہم ہیں حق جس کا ہے جامع وہ ذخیرہ ہیں تو ہم ہیں
تعلیمِ ملک عرش پہ تھا ورد ہمارا
جبریلؑ سا اُستاد ہے شاگرد ہمارا

بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا ۱۵۳ گر فیضِ ظہورِ شہِ لولاک نہ ہوتا
ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا کچھ خاک کے طبقے میں بجز خاک نہ ہوتا
یہ شور اذاں کا سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پہ جب تھے تو یہ اسلام کہاں تھا

محسن سے بدی، ہے یہی احساں کا عوض آہ ۱۵۴ دشمن کے ہوا خواہ ہوئے دوست کے بدخواہ
گمراہ کے بہکانے سے روکو نہ مری راہ لو اب بھی مسافر کو نکل جانے دو لِلّٰہ
مل جائے گی اک دم میں اماں رنج و بلا سے
میں ذبح سے بچ جاؤں گا، تم قہرِ خدا سے

بستی میں کہیں مسکن و ماوا نہ کروں گا ۱۵۵ یثرب میں بھی جانے کا ارادہ نہ کروں گا
صابر ہوں کسی کا کبھی شکوہ نہ کروں گا اس ظلم کا میں ذکر بھی اصلا نہ کروں گا
رونا نہ چھٹے گا کہ عزیزوں سے چھٹا ہوں
جو پوچھے گا کہہ دوں گا کہ جنگل میں لٹا ہوں

اعدا نے کہا قہرِ خدا سے نہیں ڈرتے ۱۵۶ ناری تو ہیں دوزخ کی جفا سے نہیں ڈرتے
فریاد رسولؐ دوسرا سے نہیں ڈرتے خاتونِ قیامت کی بُکا سے نہیں ڈرتے
ہم لوگ جدھر دولتِ دنیا ہے، اُدھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں بندۂ زر ہیں

حضرت نے کہا خیر، خبردار صفوں سے! ۱۵۷ آیا غضب اللہ کا، ہشیار صفوں سے
بجلی سا گزر جاؤں گا ہر بار صفوں سے کب پنجتنی رُکتے ہیں دوچار صفوں سے
غربت کے چلن دیکھ چکے، حرب کو دیکھو
لو بندۂ زر ہو، تو مِری ضرب کو دیکھو

یاں گوشۂ عُزلت خمِ شمشیر نے چھوڑا ۱۵۸ واں سہم کے چلّے کو ہر ایک تیر نے چھوڑا
کس قہر سے گھر موت کی تصویر نے چھوڑا ساحل کو صفِ لشکرِ بے پیر نے چھوڑا
عنقائے ظفر، فتح کا در کھول کے نکلا
شہبازِ اجل صید کو پر تول کے نکلا

جلوہ کیا بدلی سے نکل کر مہِ نو نے ۱۵۹ دکھلائے ہوا میں دو سر اک شمع کی لَو نے
تڑپا دیا بجلی کو فرس کی تگ و دو نے تا کا سپر مہر کو شمشیر کی ضو نے
اعدا تو چھپانے لگے ڈھالوں میں سروں کو
جبریلؑ نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو

بالا سے جو آئی وہ بلا جانب پستی ۱۶۰ بس نیست ہوئی دم میں ستم گاروں کی ہستی
چلنے لگی یک دست جو شمشیر دو دستی معلوم ہوا لُٹ گئی سب کفر کی بستی
زور اُن کے ہر اک ضرب میں اللہ نے توڑے
ٹوٹیں جو صفیں، بت اسد اللہ نے توڑے

کاٹے کبھی منہ، سر کبھی گردن سے اڑائے ۱۶۱ گہ دستِ قوی بازوئے دشمن سے اڑائے
یُوں روح کے طائرِ قفسِ تن سے اڑائے جس طرح پرندوں کو کوئی بن سے اڑائے
جانبازوں کا یہ حال تھا شمشیر کے ڈر سے
جس طرح ہرن بھاگتے ہیں شیر کے ڈر سے

دم میں اثرِ قہرِ الٰہی نظر آیا ۱۶۲ دوزخ کی طرف قافلہ راہی نظر آیا
جس صف میں زرہ پوش سپاہی نظر آیا چورنگ وہیں صورتِ ماہی نظر آیا
بھاگی تھی ہوا خوف سے شمشیرِ دو دم کے
مچھلی بھی نہ لہراتی تھی دامن میں علَم کے

چلنے میں عجب تیغ نے انداز نکالے ۱۶۳ سر لے گئی گردن سے نئے ناز نکالے
طاقت تھی کہ ناوک قدر انداز نکالے سوفار کا کیا منہ تھا جو آواز نکالے
بازو تو جفا کیشوں کے شانوں سے جدا تھا
تیروں سے کماں، تیر کمانوں سے جدا تھا

بجلی سی جو گر کر صفِ کفّار سے نکلی ۱۶۴ آوازِ 'بزن' تیغ کی جھنکار سے نکلی
گہہ ڈھال میں ڈوبی، کبھی تلوار سے نکلی در آئی جو پیکاں میں تو سوفار سے نکلی
تھے بند خطا کاروں پہ دَر امن و اماں کے
چلّے بھی چُھپے جاتے تھے گوشوں میں کماں کے

افلاک پہ چمکی کبھی، سر پر کبھی آئی ۱۶۵ کوندی کبھی جوشن پہ، سپر پر کبھی آئی
گہہ پڑ گئی سینہ پہ، جگر پر کبھی آئی تڑپی کبھی پہلو پہ، کمر پر کبھی آئی
طے کر کے پھری کون سا قصہ تھا فرس کا
باقی تھا جو کچھ کاٹ وہ حصہ تھا فرس کا

بے پاؤں جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی ۱۶۶ ندّی اُدھر اک خوں کی اُبلتی ہوئی آئی
دم بھر میں وہ سَو رنگ بدلتی ہوئی آئی پی پی کے لہو لعل اُگلتی ہوئی آئی
ہیرا تھا بدن رنگ زمرّد سے ہرا تھا
جوہر نہ کہو، پیٹ جواہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دمِ جنگ پری وش اسے کہنا ۱۶۷ معشوق بنی سرخ لباس اس نے جو پہنا
اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا جوہر تھے کہ پہنے تھی دُلہن پھولوں کا گہنا
سیبِ چمنِ خلد کی بو باس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبّیرؑ سے دولہا کی بغل میں

سر پٹکے تو موج اس کی روانی کو نہ پہنچے ۱۶۸ قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہنچے خنجر کی زباں تیغ زبانی کو نہ پہنچے
دوزخ کی زبانوں سے بھی آنچ اس کی بُری تھی
برچھی تھی، کٹاری تھی، سروہی تھی، چھُری تھی

موجود بھی ہر غول میں اور سب سے جدا بھی ۱۶۹ دم خم بھی، لگاوٹ بھی، صفائی بھی، ادا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی، پانی بھی، ہوا بھی امرت بھی، ہلاہل بھی، مسیحا بھی، قضا بھی
کیا صاحبِ جوہر تھی عجب ظرف تھا اُس کا
موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اس کا

ہر ڈھال کے پھولوں کو اُڑاتا تھا پھل اُس کا ۱۷۰ تھا لشکر باغی میں ازل سے عمل اُس کا
ڈر جاتی تھی منہ دیکھ کے ہر دم اجل اُس کا تھا قلعۂ چار آئینہ گو یا محل اُس کا
اس در سے گئی کھول کے وہ در نکل آئی
گہ صدر میں بیٹھی، کبھی باہر نکل آئی

تیروں پہ گئی برچھیوں والوں کی طرف سے ۱۷۱ جا پہنچی کمانداروں پہ بھالوں کی طرف سے
پھر آئی سواروں کے رسالوں کی طرف سے منہ تیغوں کی جانب کیا ڈھالوں کی طرف سے
بس ہوگیا دفتر نظری نام و نسب کا
لاکھوں تھے تو کیا، دیکھ لیا جائزہ سب کا

سر پر جو سپر کو کسی خود سر نے اٹھایا ۱۷۲ نوکوں پہ اُسے تیغِ دو پیکر نے اٹھایا
تلوار نے کیا دیو کو اژدر نے اٹھایا لڑنے کا مزا خوب ستمگر نے اٹھایا
یوں پھینک دیا خاک پہ سر کاٹ کے تن سے
اُگلے کوئی جس طرح نِوالے کو دہن سے

ہر ہاتھ کے پرزے تھے تو ہر ڈھال کے ٹکڑے ۱۷۳ پونہچے تھے کہ تھے قرعۂ رمّال کے ٹکڑے
کاٹے زِرَہِ جسمِ بد افعال کے ٹکڑے تڑپی جو وہ مچھلی تو ہوئے جال کے ٹکڑے
مقتل کی جو سرحد سے چلی شام میں ٹھہری
کیا ماہیٔ دریائے ظفر دام میں ٹھہری

۱۷۴ سینے سے بڑھی، چیر کے پہلو نکل آئی جوشن پہ گئی کاٹ کے بازو نکل آئی
معلوم ہوا پھول سے خوشبو نکل آئی ہر زخم سے اس طرح وہ مہرُو نکل آئی
گر پڑتی تھی بجلی جدھر آتی تھی لچک کر
کیا منہ تھا کہ مرجاتے تھے بسمل بھی تڑپ کر

۱۷۵ ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا پہنچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا
تیزی، کو رکھائی کو، صفائی کو نہ چھوڑا شوخی کو، شرارت کو، لڑائی کو نہ چھوڑا
اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

۱۷۶ جب باڑھ پہ آئے تو ٹھہرتی ہے بمشکل چڑھتی ہے یہ ندّی تو اترتی ہے بمشکل
دھارے میں جو ڈوبے تو ابھرتی ہے بمشکل اس گھاٹ سے کشتی بھی گزرتی ہے بمشکل
پانی یہ نہیں بحر ہے اِس تیغ کے بر میں
چکّر میں وہ رہتا ہے جو آجائے بھنور میں

۱۷۷ وار اِس کا تبر سے نہ کسی تیر سے اُٹھا طوفاں غضب آبِ دمِ شمشیر سے اُٹّھا
اک موجۂ خوں لشکرِ بے پیر سے اُٹّھا ضربت کا نہ لنگر کسی تدبیر سے اُٹّھا
اللہ رے تلاطم کہ زمیں ہل گئی رن کی
ضربہ جو پڑا ڈوب گئیں کشتیاں تن کی

۱۷۸ تھرّاتے تھے ساونت،لرزتے تھے بہادر وہ نعرۂ شیرانہ، وہ حملے، وہ تہوّر
وہ سُرعتِ شبدیز کہ تھکتا تھا تصوُّر جِنّات کو حیرت تھی، ملائک کو تحیرُّ
مارا اُسے دو لاکھ میں جاکر جسے تاکا
سب ٹھاٹ تھا ضرغامِ الٰہی کی وغا کا

چار آئینہ والوں کو نہ تھا مرگ سے چارہ ۱۷۹ چو رنگ تھے سینے تو کلیجہ تھا دو پارا
کہتے تھے زرہ پوش نہیں جنگ کا یارا بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا
جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دامِ اجل ہے

بدکیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے ۱۸۰ ناوک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
سب حیلہ گری عہد شکن بھول گئے تھے بے ہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے
معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے
چلّاتے تھے قبضے میں کماں ہے کہ نہیں ہے

ڈر ڈر کے قدِ راست سنانوں نے جھکائے ۱۸۱ دب دب کے سرِ عجز کمانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم رن میں جوانوں نے جھکائے سر خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے
غل تھا کہ پناہ اب ہمیں یا شاہِ زماں دو
پھیلائے تھے دامن کو پھریرے کہ اماں دو

شہ کہتے تھے ہے باڑھ پہ دریا نہ رُکے گا ۱۸۲ اس موج پہ آفت کا طمانچہ نہ رُکے گا
بے فتح و ظفر دلبرِ زہراؑ نہ رُکے گا تا غرق نہ فرعون ہو، موسیٰؑ نہ رُکے گا
ہے بحرِ غضب نام ہے قہرِ صمد اس کا
رُکنے کا نہیں شام تلک جزر و مد اس کا

اس صف سے گئے، بیچ سے اُس غول کے نکلے ۱۸۳ جو فوج چڑھی منہ پہ اُسے رول کے نکلے
انبوہ سے یوں تیغِ دوسر تول کے نکلے گویا درِ خیبر کو علیؑ کھول کے نکلے
اک زلزلہ تھا نُہ فلک و ہفت طبق کو
ہر بار الٹ دیتے تھے لشکر کے ورَق کو

ہاتھوں کو ظفر چومتی تھی، فتح قدم کو ۱۸۴ بڑھتے تھے جو تولے ہوئے شمشیرِ دو دم کو
اک شیر نے روکا تھا چھ لاکھ اہلِ ستم کو تھا خوف سے لرزہ عرب و روم و عجم کو
دنیا جو بچی روحِ محمدؐ کا سبب تھا
شبیرؑ اگر رحم نہ کرتے تو غضب تھا

شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ ۱۸۵ لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ
بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ نانا کی طرح خاطرِ اُمت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو، روکو ہمیں آ کر ۱۸۶ فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر
ہم چاہیں تو پانی بھی پئیں نہر میں جا کر دعوت یوں ہی کرتے ہیں مسافر کو بلا کر
پر صبر کے دریا ہیں ہمیں پیاس نہیں ہے
اب زہر یہ پانی ہے کہ عباسؑ نہیں ہے

وہ چاند سا رُخ، وہ قد و قامت، وہ جوانی ۱۸۷ بھولی نہیں اکبرؑ کی ہمیں تشنہ دہانی
دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی وہ سوکھے ہوئے ہونٹ، وہ اعجاز بیانی
کس سے کہیں جو خون جگر ہم نے پیا ہے
بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جِیا ہے

الفت ہمیں لے آئی ہے پھر پاس تمھارے ۱۸۸ یہ کہہ کے سکینہؑ کے بہشتی کو پکارے
عباسؑ غش آتا ہے ہمیں پیاس کے مارے لڑتے ہوئے آ پہنچے ہیں دریا کے کنارے
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا دو
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

اُٹھو کہ سکینہؑ کو یہاں ہم نہیں لائے ۱۸۹ لپٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منہ کو چھپائے
ہے عصر کا وقت اے اسد اللہ کے جائے غافل ہو، برادر تمھیں کس طرح جگائے
خوش ہوں گا میں آگے جو عَلَم لے کے بڑھو گے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے

تلوار سے مہلت ستم ایجادوں نے پائی ۱۹۰ کہہ کر یہ سخن رونے لگا بھائی کو بھائی
دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی
بارش ہوئی تیروں کی ولی ابن ولی پر
سب ٹوٹ پڑے ایک حسینؑ ابن علیؑ پر

سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیر سہ پہلو ۱۹۱ کی شہ نے جو سینے پہ نظر پونچھ کے آنسو
سالم نہ کلائی تھی، نہ شانہ تھا، نہ بازو ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جو
برگشتہ زمانہ تھا شہِ تشنہ گلو سے
پھل برچھیوں کے سرخ تھے سیّد کے لہو سے

ہرنے پہ دھری شہ نے سپر، میان میں تلوار ۱۹۲ زخموں سے جو وہ دستِ مبارک ہوئے بیکار
مظلوم کو تیغیں جو لگانے لگے اک بار بس کعبۂ ایماں کے قریب آ گئے کُفّار
یوں شاہ کو گھیرے تھے پرے فوجِ ستم کے
جس طرح صف آرا تھے صنم گِردِ حرم کے

تقدیر نے لکّھے کئی نقش ایک نگیں پر ۱۹۳ سجدے کی جگہ چھوڑی نہ تیروں نے جبیں پر
ہر جا خطِ شمشیر تھی قرآنِ مبیں پر کثرت تھی جراحت کی رُخِ قبلۂ دیں پر
تلواروں کے ٹکڑے تھے ہر اک جزوِ بدن پر
مجموعہ پریشان تھا، سی پارۂ تن پر

۱۹۴ حضرت کی یہ صورت تھی، فرس کا تھا یہ احوال منہ تیغوں سے زخمی تھا، بدن تیروں سے غِربال
گھائل تھی جبیں، خون میں ڈوبی ہوئی تھی یال گردن کا وہ کینڈا، نہ وہ شوخی تھی، نہ وہ چال
ہر سمت سے تیروں کا جو مینہ اس پہ پڑا تھا
پر کھولے ہوئے دھوپ میں طاؤس کھڑا تھا

۱۹۵ جھک جاتے تھے ہرنے پہ جو غش میں شہِ ابرار منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبّیرؑ دل افگار اب خاتمۂ جنگ ہے اے اسپ وفادار
اُتریں گے بس اب تجھ سے چھُٹا ساتھ ہمارا
نے پاؤں ترے چلتے ہیں نے ہاتھ ہمارا

۱۹۶ زخمی ہیں نہیں اب تری تکلیف گوارا گرتے ہیں سنبھلنے کا ہمیں اب نہیں یارا
کیا بات تری خوب دیا ساتھ ہمارا آ پہنچا ہے منزل پہ یداللہ کا پیارا
تو جس میں پلا ہے وہ گھر اِک دم میں لُٹے گا
بچپن کا ہمارا ترا اب ساتھ چھُٹے گا

۱۹۷ گھیرے ہیں عدو خیمے تلک جا نہیں سکتے کھوئی ہے جو طاقت اسے اب پا نہیں سکتے
مشکل ہے سنبھلنا تجھے دوڑا نہیں سکتے پہلو ترے مجروح ہیں ٹھکرا نہیں سکتے
حیواں کو بھی دکھ ہوتا ہے زخموں کے تعب کا
میں درد رسیدہ ہوں، مجھے درد ہے سب کا

۱۹۸ کس طرح دکھاؤں کہ ترے زخم ہیں کاری میں نے تو کسی دن تجھے قمچی نہیں ماری
گھوڑے نے سنیں درد کی باتیں جو یہ ساری دونڈیاں اشکوں کی ہوئی آنکھوں سے جاری
حیواں کو بھی رقت ہوئی اس لطف و کرم پر
منہ رکھ دیا مڑ کر شہ والا کے قدم پر

دم ہے ابھی مجھ میں، مرے آقا! نہ اُتریے ۱۹۹ گردن کو ہلایا کہ مسیحا نہ اُتریے
سب فوج چڑھی آتی ہے مولا! نہ اُتریے تلوار لیے گِرد ہیں اعدا، نہ اُتریے
اے وائے ستم صدر نشیں خاک نشیں ہو
حسرت ہے کہ مرجاؤں تو خالی مرا زیں ہو

وہ تو نے کیا، ہوتا ہے جو حقِّ رفاقت ۲۰۰ شہ نے کہا تا چند مسافر سے محبت
نہ ہاتھ میں، نہ پاؤں میں، نہ قلب میں طاقت بتلا تو سنبھلنے کی بھلا کون ہے صورت
بہتر ہے کہ اتروں، نہیں تیورا کے گروں گا
پھٹ جائیں گے سب زخم جو غش کھا کے گروں گا

اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا ۲۰۱ ہے عصر کا ہنگام مناسب ہے اُترنا
سجدے میں کٹے سر کہ سعادت ہے یہ مرنا گو مرحلۂ صعب ہے دنیا سے گذرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ تن و سر کا
ذی حق ہمیں اس کے ہیں کہ ورثہ ہے پدر کا

خاتم سے نگیں گِر گیا زیں ہوگیا خالی ۲۰۲ اترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی
خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہِ عالی اس دکھ میں نہ یاور تھے نہ مولا کے موالی
کپڑے تنِ پُرنور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے

جا ڈیوڑھی پہ اے صاحبِ معراج کے رہوار ۲۰۳ منہ یال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار
زینبؑ سے یہ کہنا کہ سکینہؑ سے خبردار اب ذبح کریں گے ہمیں اک دم میں ستمگار
رہنا وہیں جب تک مرا سر تن سے جدا ہو
لے جائیو بانو کو جدھر حکم خدا ہو

یہ کہہ کے جو سر کا اسد اللہ کا جایا ۲۰۴ اِک تیر جبیں پر بنِ اشعث نے لگایا
فریاد نے زہراؑ کی دو عالم کو ہلایا پیکانِ سہ پہلو عقب سر نکل آیا
تڑپے نہ، زہے صبر امام دو جہاں کا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشاں کا

حضرت نے جبیں سے ابھی کھینچا نہ تھا وہ تیر ۲۰۵ جو سر پہ لگی تیغِ بنِ مالکِ بے پیر
ابرو تک اتر کر جو اُٹھی ظلم کی شمشیر سر تھام کے بس بیٹھ گئے خاک پہ شبّیر
چلّائے ملک دیکھ کے خوں سبطِ نبیؑ کا
تھا حال یہی مسجدِ کوفہ میں علیؑ کا

بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہ بے پر ۲۰۶ جھکتے تھے کبھی غش میں اُٹھاتے تھے کبھی سر
تھے ذکر خدا میں کہ لگا تیر دہن پر یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لبِ اطہر
بہہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
ٹھنڈے ہوئے دو گوہرِ دندان مبارک

نیزے کا بن وہب نے پہلو پہ کیا وار ۲۰۷ کاندھے پہ چلی ساتھ زُرارہ کی بھی تلوار
ناوک بنِ کاہل کا کلیجے کے ہوا پار بازو میں در آیا تبرِ خولیِ خوں خوار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
دم رُک گیا نیزہ جو لگا ابنِ اَنس کا

تھرّا کے جھکے سجدۂ حق میں شہِ ابرار ۲۰۸ شورِ دُہلِ فتح ہوا فوج میں اِک بار
خوش ہوکے پکارا پسرِ سعدِ جفاکار اے خولی و شیث و بنِ ذی الجوشن جرّار
آخر ہے بس اب کام امامِ ازلی کا
سرکاٹ لو سب مل کے حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۲۰۹ لکھتا ہے یہ راوی کہ بپا ہوگیا محشر
بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
اِک سیدہ نکلی درِ خیمہ سے کھلے سر
برقع تھا نہ مقنع تھا، نہ موزے تھے نہ چادر
چلّائے لعیں خوف سے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے
لو فاطمہؑ آتی ہے بچانے کو پسر کے

۲۱۰ ہلتا تھا فلک ہاتھوں سے جب پیٹتی تھی سر
بجلی کی طرح کوندتے تھے کانوں کے گوہر
فرماتی تھیں فضہ جو اُڑھا دیتی تھی معجَر
فریادی ہوں فریادی کو زیبا نہیں چادر
سر ننگے یوں ہی جاؤں گی روضہ پہ نبیؐ کے
پردہ تو گیا ساتھ حسینؑ ابن علیؑ کے

۲۱۱ اُس بھیڑ میں آکر وہ ضعیفہ یہ پُکاری
اے سبطِ نبیؐ! ابنِ علیؑ! عاشقِ باری
گھوڑا تو ہے کُوتَل کدھر اُتری ہے سواری
بھیّا! بہن آئی ہے زیارت کو تمھاری
مرجاؤں گی حضرت کو جو پانے کی نہیں میں
بے آپ کے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں میں

۲۱۲ اس وقت شہِ دیں نے سنی زاریٔ خواہر
جس وقت کہ تھا حلقِ مبارک تہِ خنجر
فرمایا اشارے سے کہ اے شمرِ ستمگر
زینبؑ نکل آئی ہے ٹھہر جا ابھی دم بھر
آخر تو سفر ہوتا ہے اس دارِ محن سے
دو باتیں تو کر لینے دے بھائی کو بہن سے

۲۱۳ منہ پھیر لیا شمر نے خنجر کو ہٹا کے
دی شہ نے یہ زینبؑ کو صدا اشک بہا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آکے
دیکھوگی کسے، ہم تو ہیں پنجہ میں قضا کے
اُٹھ سکتے نہیں جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
گھبراؤ نہ، اماں مرے پہلو میں کھڑی ہیں

گھر سے نکل آئے نہ سکینہؑ مری پیاری ۲۱۴ جاؤ صفِ ماتم پہ کرو گریہ و زاری
بس اب نہ سنو گی بہن! آواز ہماری فردوس سے آ پہنچی ہے نانا کی سواری
رونا ہے تو رو لیجو مِرے لاشے پہ آ کے
ہٹ جاؤ کہ سر کٹتا ہے سجدے میں خدا کے

چلّائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی ۲۱۵ دوڑی یہ صدا سن کے یداللہ کی جائی
یاں ہوگئی سیّد کے تن و سر میں جدائی پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
قاتل کو نہ گردن کو نہ شمشیر کو دیکھا
پہنچیں تو سناں پر سرِ شبّیرؑ کو دیکھا

دُکھ پائی بہن آپ کی مظلومی کے واری ۲۱۶ سر دیکھ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پُکاری
تم مرگئے پوچھے گا خبر کون ہماری خنجر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری
آفت میں پھنسی آلِ رسولِ عربی کی
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہرؑا و علیؑ کی

پردیس میں بیوؤں کا لٹا راج حُسینا ۲۱۷ ہے ہے پسرِ صاحبِ معراج حُسینا
ہے ہے کفن و گور کے محتاج حُسینا گویا کہ علیؑ قتل ہوئے آج حُسینا
پُرسا بھی ترا دینے کو آتا نہیں کوئی
لاشہ بھی زمیں پر سے اُٹھاتا نہیں کوئی

مذبوحِ قضا کشتۂ خنجر، مرے سیّد ۲۱۸ قربان بہن اے مرے سرَور، مرے سیّد
پنجے میں ہے قاتل کے ترا سر، مرے سیّد اے فاقہ کش و بیکس و بے پر مرے سیّد
دیتے ہو صدا کچھ، نہ بلاتے ہو بہن کو
کس یاس سے تکتے چلے جاتے ہو بہن کو

۲۱۹ احمدؐ ہیں نہ زہراؑ، نہ حسنؑ ہیں نہ یداللہ
بھیّا! مِرا کوئی نہیں، تم خوب ہو آگاہ
چھوڑا مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ
ڈھارس تھی بڑی آپ کی اے سیّدِ ذی جاہ
چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی
بہنا کو نجف تک بھی نہ پہنچا گئے بھائی

۲۲۰ کِس سے تِرا لاشہ بہن اُٹھوائے برادر
اے میرے شہید، اے مرے ماں جائے برادر
پانی بھی نہ قاتل نے دیا ہائے برادر
کس طرح مِرے دل کو قرار آئے برادر
انساں پہ ستم یوں کبھی انساں نہیں کرتا
حیواں کو بھی پیاسا کوئی بے جاں نہیں کرتا

۲۲۱ لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینبؑ نے کِیے بین
خاموش انیسؔ اب کہ ہے دل سینے میں بے چین
حاسد ہیں بہت دل کو عطا کر مرے اب چین
اب حق سے دعا مانگ کہ اے خالقِ کونین
ناحق ہے عداوت انھیں اس ہیچ مداں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے